© rasailojaraid.com

ابھی چار پانچ مہینے ہوئے لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک مسلمان نژاد طالب علم نے برملا اعلان کیا تھا کہ میں مسلمان نہیں ہوں اور مسلمانوں نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا کہ جو شخص خود اسلام سے منکر ہے وہ کسی انتخاب میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے امیدوار بننے کا حق دار کیسے ہو سکتا ہے اس واقعہ پر اظہار رائے کرتے ہوئے ایک کانگریسی اخبار (ہندوستان ٹائمز) لکھتا ہے۔

"اگر ووٹروں کی فہرست میں نام درج ہونے اور انتخابات کے لیے بحیثیت امیدوار کھڑے ہونے سے پہلے لوگوں کے عقائد کی تحقیقات شروع ہو گئی تو ہمارا موجودہ انتشار و اختلال اور زیادہ پریشان کن ہو جائے گا۔ اس سے تو یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ ہمارا یہ سارا انتخابی نظام جس کو ہمارے آقاؤں نے اس قدر کامل غور و فکر کے بعد مرتب کیا ہے اس وقت بیکار ہو کر رہ جائے گا جب کہ لوگ صرف ہندو یا مسلمان نہ رہیں گے بلکہ فرداً فرداً اپنے مخصوص عقائد اور شبہات پیدا کر لیں گے۔ لہٰذا مسٹر نقوی کو مستقبل کے لیے ایک فال نیک سمجھنا چاہیے اور کیا خبر کہ وہ آنے والی صبح صادق کے ایک پیغمبر ہوں۔"

اس مضمون میں انگلستان کے اُن ملاحدہ کو مثال میں پیش کیا گیا ہے جنہوں نے حریت فکر کا علم بلند کیا تھا اور اپنی مذہب پرست قوم کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھائی تھیں، مثلاً چارلس بریڈلا، مارلے اور رابرٹ انگرسول۔ پھر اسلام سے بغاوت کرنے والے اس نوجوان کو ان "بہادروں" کی صف میں جگہ دے کر اس کی ہمت و جرأت پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے گئے ہیں۔

ایک دوسرا کانگریسی اخبار (تیج) اپنی ۱۴ر اگست ۳۷ء کی اشاعت میں ایک مسلمان عورت کا خط شائع کرتا ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"جب میرٹھ میں پوجیہ پنڈت جواہر لال نہرو تشریف لائے تو میں اپنے خاوند سے چھپ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلسہ دیکھنے گئی اس وقت سے میرا دل بے چین رہنے لگا میں نے اپنے مکان پر قومی جھنڈا لگا دیا لیکن جب میرے خاوند نے اسے پھاڑ ڈالا تو میں نے سارا دن نہ تو کھانا کھایا نہ رات کو سوئی بلکہ تمام رات اور دن برابر روتی رہی۔ جب میرے خاوند نے میرے پیارے پنڈت جواہر لال کو گالیاں دینی شروع کیں تو میں نے کہا اگر ان کی شان میں کچھ کہا تو جان کھو دوں گی۔ چنانچہ میں اسی دن لڑکر اپنے باپ کے گھر چلی آئی ہوں۔ اب جب تک میرا خاوند معافی نہ مانگے گا، اپنے مکان پر کانگریس کا جھنڈا نہ لگائے گا! اور کانگریس کا ممبر نہ بنے گا، میں اس کی شکل بھی نہ دیکھوں گی۔"

ایڈیٹر صاحب! میں نے پچاس مسلمان عورتیں تیار کر رکھی ہیں جو پردے کو چھوڑ کر ہر وقت کانگریس کا کام کرنے کو تیار ہیں، مگر ہمارے گھر والے ہمکو بہت تنگ کرتے ہیں۔

اب آپ ہی بتائیں میں کیا کروں؟ اور آپ ہمارے پوجیہ پنڈت جواہر لال سے کہیے کہ ہم مسلمان عورتیں کیا کریں؟"

بہت ممکن ہے کہ یہ خط فی الواقع کسی مسلمان عورت کا لکھا ہوا نہ ہو، اور محض ایک جعل ہو۔ لیکن اگر یہ جعل ہے تو یہ اور بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ "لشکر آزادی" کے ان نقیبوں کے مافی الضمیر پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "قوم پرستی" کے یہ علمبردار مسلمان مردوں اور عورتوں کو کیا دیکھنا چاہتے ہیں، "آزادی کی فوج" کے لیے کس قسم کے سپاہی ان کو مسلمانوں میں درکار ہیں، اور کم از کم کس حد تک اصول اسلام سے منحرف ہونا ضروری ہے جس کے بعد وہ کسی مسلمان کو "قوم پرست" تسلیم کر سکتے ہیں۔

یہ بغاوت صرف غیر مسلموں ہی کی زبان و قلم کے ذریعہ سے نہیں پھیلائی جا رہی ہے بلکہ خود مسلمان بھی اس کی اشاعت کے لیے آلۂ کار بنائے جا رہے ہیں۔ مسلمان لیڈر، مسلمان اہل قلم اور مسلمان رسائل و جرائد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہی تمام خیالات کو مسلمانوں میں پھیلانے کا وسیلہ بن گئے ہیں اور بنتے جا رہے ہیں جو پنڈت جواہر لال نہرو کی زبان سے آپ سن چکے ہیں، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو بہکانے کے لیے غیر مسلموں کی بہ نسبت خود مسلمان زیادہ کارگر ذریعہ بن سکتے ہیں۔

اس کے لیے آپ کو جتنی مثالوں کی ضرورت ہو، میں پیش کر سکتا ہوں۔ مگر یہاں صرف ان حضرات کی تحریروں سے استناد کروں گا جو کانگریس میں کوئی نہ کوئی "سرکاری" یا ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے ہیں۔

بہار کے مشہور کانگریسی لیڈر ڈاکٹر سید محمود صاحب، جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سکرٹری رہ چکے ہیں، اور اس وقت صوبۂ بہار کی وزارت میں واحد مسلمان وزیر ہیں، اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں:

"مختصر یہ کہ اخلاقی سیاسی اور دوسرے تمام حکیمانہ تصورات کو قطعیت اور عملیت کا جامہ پہنا کر مسلمانوں نے ہندوستان کے تخیل کو عمل کا آئینہ بنا دیا۔ بعض نے اپنے ولولہ و جوش سے مجبور ہو کر ہندوستان میں متحدہ قومیت کی آفرینش کے پیش نظر ایک ایسے جدید نظام مذہبی کی نشو و نما کرنی چاہی جو ہندوستان میں سب کے مناسب حال ہو۔ یہ ان لوگوں کی معمولی خدمات نہیں کہی جا سکتیں۔ اجنبی تھے، لیکن انہوں نے جلد ہی اپنی قسمتوں کو اہل ملک کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وابستہ کر لیا" (جامعہ۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)۔

آپ سمجھے کہ یہ "جدید نظام مذہبی" کا اشارہ کس چیز کی طرف ہے؟ یہ اشارہ اکبر کے دین الٰہی کی طرف ہے۔ کتنا مختصر اشارہ ہے، مگر "قوم پرست مسلمان" —— مجموعۂ ضدین —— کی معراج تخیل کو کتنی صاف روشنی میں پیش کرتا ہے —— اکبر کا دور اسلامی ہند کی تاریخ میں پہلا دور ہے جس میں سیاسی اغراض پر مذہب کو قربان کرنے کی ابتدا ہوئی۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنے تذکرہ میں اس نامبارک دور کے جو حالات بیان فرمائے ہیں ان کو پڑھیے تو آپ کو اس کی فتنہ سامانیوں کا اندازہ ہو گا۔ یہ پہلا فتنۂ عظیم تھا جس نے پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاقت کے ساتھ الحاد و بے دینی پھیلا کر ہندوستان کے مسلمانوں کو وطنی قومیت میں جذب کرنے کی کوشش کی۔ اُس دور کے تمام صلحاء امت اس فتنے پر چیخ اٹھے تھے۔ حضرت سید احمد مجدد سرہندی رحمۃ اللہ نے اسی کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ اسی ناپاک دور کے اثرات تھے جنہوں نے داراشکوہ کی صورت میں جنم لیا۔ اسی زہر کو دور کرنے کے لیے عالمگیر پچاس برس جدوجہد کرتا رہا اور یہی زہر آخر کار مسلمانوں کی سیاسی طاقت کو گھن کی طرح کھا گیا۔ مسلمانوں میں قوم پرستی کی جدید تحریک دراصل اسی پرانی تحریک کی نشاۃ ثانیہ ہے، لہٰذا یہ لوگ اس فتنۂ عظیم کو فتنے کی حیثیت سے نہیں بلکہ "خیر القرون" کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور وسوسہ (Inspiration) حاصل کرنے کے لیے اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک متحدہ قومیت کی آفرینش کا یہ پہلا تجربہ، ہندوستانی مسلمان کی "خدمات" میں شمار ہونے کے لائق ہے۔ ان کے ذہن میں "متحدہ قومیت" کا تصور یہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی قسمتوں کو اسی طرح اہل ملک کے ساتھ ہمیشہ کے لیے وابستہ کرلیں۔

پنڈت جواہرلال بھی اس کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب اپنے اس مضمون میں فرماتے ہیں:-

"سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں آخر ہمارا نصب العین اور مقصد کیا ہے؟ کیا ہم اس سمت میں قدم اٹھانے کو آمادہ ہیں کہ ایک مشترک قومیت کی معہ تمام لوازم کے تشکیل کریں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو یہ بالکل ظاہر ہے کہ ہندوستان صرف ایک جغرافیائی نام ہے جس میں ایک سے زیادہ "اقوام" بستی ہیں۔ کیا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہر "قوم" علیحدہ علیحدہ اپنے مسائل کو حل کرے اور مشترکہ دولت ہند (COMMAN WEALTH) میں صرف انسانی اور مادّی امداد کیا کرے؟ اگر مسئلہ ہند کا یہی حل ہے تو ہماری اس وقت تک کی کوششیں اس کے برعکس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکل ناکام رہی ہیں........

لیکن اگر ہمارے سوال کا جواب اثبات میں ہے اور ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسی راہ پر گامزن ہوں جو اکبر اور دوسرے ازمنۂ وسطیٰ کے حکمرانوں نے بنادی تھی تب تو ہمیں عزم و استقلال کے ساتھ ہمیشہ نہ صرف اسی راہ پر چلنا چاہیے بلکہ ہمارے پیشے اور رسوم میں بھی یکسانیت ہونی چاہیے۔ بعض کے نزدیک تو اس حل میں بھی مسلم اقلیت کے لیے ایک مضرت ہے لیکن اس کا کوئی چارۂ کار نہیں۔ اور چونکہ کوئی تیسرا حل موجود نہیں ہے اس لیے مسلمانوں کو ملک کی خاطر اور اپنی خاطر اسے قبول کرنا چاہیے۔

یہاں مافی الضمیر بالکل واضح ہوگیا ہے۔ صوبۂ بہار کے چالیس لاکھ مسلمانوں کی قسمتیں جس شخص کے ساتھ وابستہ ہیں، جسے بہار کی وزارت میں ہماری آئندہ نسلوں کی تعلیم کا نگران بنایا گیا ہے، وہ سرے سے اس تخیل ہی کا مخالف ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی مستقل "قومیت" باقی رہے، اور آزاد ہندوستان میں ان کو ایک ممتاز اجتماعی وجود کی حیثیت سے اپنے مسائل خود حل کرنے کا موقع حاصل ہو۔ اُس کا نصب العین ہمارے نصب العین سے بالکل مختلف اور جواہرلال نہرو کے نصب العین سے بالکل متحد ہے۔ ہم آزادی اس لیے چاہتے ہیں کہ ڈیڑھ سو برس کے غیر مسلم اقتدار نے ہماری قومیت اور ہماری تہذیب کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کی تلافی کرسکیں۔ اور وہ آزادی اس لیے چاہتا ہے کہ اب تک جو نقصان ہمیں پہنچا ہے، آگے چل کر وہ اپنے طبعی نتیجہ کو پہنچ جائے، یعنی ہماری مضمحل شدہ قومیت ہندوستان کی مشترک قومیت میں جذب ہو جائے، ہماری تہذیب کی کوئی امتیازی شان باقی نہ رہے، ہمارے مختلف پیشوں کے لوگ اپنے اپنے ہم پیشہ غیر مسلموں کے ساتھ گھل مل جائیں اور ان کے درمیان پیشوں کے ساتھ "رسوم میں بھی یکسانیت" پیدا ہو جائے۔ ہندوستان کی مختلف قوموں کے لیے لفظ "اقوام" کا استعمال ہی فاضل ڈاکٹر کے نزدیک قابل اعتراض ہے۔ وہ ہندوستان کو ایک جغرافی نام نہیں بلکہ ایک قومی وحدت بنانا چاہتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ ان کے نزدیک مسئلہ ہند کا یہ حل بالکل غلط ہے کہ "ہر قوم علیحدہ علیحدہ اپنے مسائل کو حل کرے اور مشترکہ دولت ہند میں صرف انسانی اور مادی امداد کرے"۔ برعکس اس کے صحیح حل یہ ہے کہ "مسلمان اسی راستہ پر گامزن ہوں جو اکبر اور ازمنۂ وسطیٰ کے حکمرانوں نے بنا دی تھی"، یعنی ہندوستان کی کان نمک میں نمک بننے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کو کیوں کرنا چاہیے؟ خدا اور رسول کی خاطر نہیں، بلکہ ملک کی خاطر ـــ اور اپنی خاطر ـــــــ غالباً یہاں "اپنے پیٹ کی خاطر" لکھنے میں ڈاکٹر صاحب کو شرم محسوس ہوی ہوگی۔ این ہم غنیمت است!

کیا جواہر لال نہرو کا تصور قومیت اس سے کچھ بھی مختلف ہے؟

مسلمانوں کو اپنے نام "مسلم" پر بڑا فخر ہے۔ خدا کا رکھا ہوا نام، اور وہ نام جس سے بڑھ کر عزت و افتخار کا نام آج تک دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ مگر ڈاکٹر سید محمود صاحب کے نزدیک اس علیحدہ نام سے مسلمانوں کا موسوم ہونا قابل اعتراض ہے۔ ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی اور اس قسم کے دوسرے تمام اسماء ان کے نزدیک محو ہو جانے چاہییں اور صرف ایک نام "ہندی" تمام باشندگان ہند کے لیے استعمال ہونا چاہیے تاکہ جداگانہ قومیتوں کا احساس ہی باقی نہ رہے۔ فرماتے ہیں:-

"لفظ "ہندی" کو زبان کے لیے نہیں بلکہ "اہل ہند" کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ دنیا بھر میں صرف ہمارا ملک ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں لوگ مختلف مذاہب سے شناخت میں آتے ہیں۔ صرف اس کا اظہار ہی ہماری دماغی کیفیت کا آئینہ بن جاتا ہے اور ہمارے متعلق یہ ثابت کر دیتا ہے کہ ہم اس برّ اعظم کی علیحدہ علیحدہ "مذہبی اقوام" ہیں۔ اسی لیے اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب ایک مشترک نام اختیار کر لیں"۔

"ہم علیحدہ علیحدہ مذہبی اقوام ہیں"۔ یہ گویا ہمارے دامن پر ایک شرمناک دھبہ ہے جسے مٹا دینے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت ہے! وہ دماغی کیفیت ہی لائق صد شرم و ندامت ہے جس کے تحت دنیا کے اس اکیلے ملک ہندوستان دوزخ نشان کے باشندے مختلف مذاہب سے شناخت میں آتے ہیں!! یہ ثابت ہو جانا کہ ہم اس برِ اعظم کی علیحدہ علیحدہ مذہبی اقوام ہیں، گویا اس بات کا ثابت ہو جانا ہے کہ ہم دورِ وحشت کی یادگار ہیں، اور اس تلخ حقیقت کو شیرینی یا کم از کم فریب شیرینی سے بدل دینے کے لیے اب ناگزیر ہو گیا ہے کہ ہم ان ناموں کو بدل ڈالیں جو "علیحدہ مذہبی اقوام" ہونے کے احساس کو زندہ رکھتے ہیں ـــــ یہ ہیں اُس زعیم قوم کے خیالات جس کو مولانا ابو الکلام آزاد نے صوبہ بہار کی وزارت میں ۴۰ لاکھ مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے منتخب فرمایا ہے[۱]، اور جو بجنور کی انتخابی مہم میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ دوش بدوش کام کرتا نظر آتا ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں کہ اصل محرومی آنکھوں کا بصارت سے محروم ہو جانا نہیں ہے بلکہ ان دلوں کا بصیرت سے محروم ہو جانا ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہیں فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔

جو لوگ جناح کی فرنگیت اور بے دینی پر بڑھ بڑھ کر اعتراض کرتے ہیں ان کے جوش دینداری کو دیکھ کر ہماری زبان سے بے اختیار مرحبا نکلتی ہے۔ مگر جب اسی لمحہ میں وہ اِن خیالات کی تبلیغ کرنے والوں کے ساتھ اشتراک عمل کرتے نظر آتے ہیں، اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے کے باوجود جناح پر طعن کرتے ہوئے انھیں شرم بھی نہیں آتی تو ہم حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ یا رب! یہ کیا تماشا ہے؟ یہ دینداری ہے یا سیاسی دھڑے بندی اور عصبیت جاہلیت؟ جناح فرنگی اور بے دین ہی

---

[۱] اس موقع پر مولانا ابو الکلام کے تذکرہ میں ان علماء و مشائخ کے حالات پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے جنہوں نے دورِ اکبری میں سیاسی اغراض پر دین کی قربانی چڑھانے والوں کے ساتھ مداہنت برتی تھی۔ ان لوگوں کے متعلق مولانا نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ انشاء اللہ ازدیاد بصیرت کے موجب ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا کی آواز تو بلند کر رہا ہے۔ اس کو تو مطعون کیا جاتا ہے محض اس بنا پر کہ نہ اس کی صورت اسلامی ہے نہ سیرت اسلامی۔ مگر یہاں سیرت و صورت دونوں غیر اسلامی ہیں اور اُس کے ساتھ یہ صدا بھی بلند کی جارہی ہے کہ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ۔ یہاں عود الی الجاھلیۃ الْاُوْلیٰ کی طرف دعوت دی جارہی ہے اور سیاسی اغراض کے لیے ملت ابراہیمی کا نام تک مٹا دینے کی فکر ہے۔ اس کے باوجود آزادی ہند کے ان داعیوں کے ساتھ اشتراک عمل کیا جاتا ہے اور ان کا اعتبار مسلمانوں میں قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ یہ انگریزی اقتدار کی جڑ کھودنے سے پہلے محمد رسول اللہ کے نخل آرزو کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں!

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

یہ تو صرف ایک نظیر تھی کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ بس یہ ایک ہی نظیر ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے حال ہی میں ایک مستقل شعبۂ اسلامیات قائم کیا ہے جس کے کارکن مسلمان ہیں، اور نشر و اشاعت کے آلۂ کار سب کے سب مسلمان اخبارات ہیں۔ مسلمانوں کے لیے کانگریس نے جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں ان کی فہرست میں اس شعبۂ اسلامیات کے قیام کو بھی ایک نمایاں جگہ دی جاتی ہے، چنانچہ جمعیت علماء ہند کا واحد ترجمان "الجمعیت" اس خدمت جلیلہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"دور جدید میں مسلمانوں نے شکایت کی کہ کانگریس عام مسلمانوں سے ربط نہیں رکھتی۔ اسلامی جرائد نے اس شکایت کو پیش کیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کی معقولیت کو تسلیم کیا اور محض مسلمانوں کی دل دہی اور سہولت کار کے لیے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماتحت اسلامیات کا ایک مستقل شعبہ کھول دیا" (الجمعیۃ مورخہ ۵ رمضان ۵۶ھ)۔
بیچارے ناواقف عوام جب ان الفاظ کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کیسی مہربان ہے یہ کانگریس! اس نے آج تک کوئی شعبۂ ہندویات و سکھیات و پارسیات نہیں کھولا، مگر ہماری "دلدہی" اس کو یہاں تک منظور ہے کہ خاص ہمارے لیے ایک شعبۂ اسلامیات کھول دیا۔

اب ذرا اس شعبہ کی کارگذاری ملاحظہ ہو۔

ڈاکٹر محمد اشرف صاحب (معتمد شعبۂ اسلامیات) کا ایک مضمون الجمعیۃ ہی میں ۱۸ رجب ۵۶ھ کی اشاعت میں درج ہوا ہے، اور ادارہ کی جانب سے اس پر کوئی تردیدی نوٹ یا اختلافی اشارہ تک نہیں ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان میں سیاسی اور اقتصادی حالات اس درجہ ترقی کر گئے ہیں اور فضا کا تقاضا اس درجہ شدید اور انقلاب انگیز ہے کہ رجعت پسندوں اور سامراج پرستوں کی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ علانیہ کانگریس یا آزادی کی جدوجہد کی مخالفت کریں اس لیے ملک کو پیچھے لے جانے والی طاقتیں اور سامراج کی حامی جماعتیں کسی تعصب کی آڑ لیتی ہیں۔ گذشتہ سات آٹھ سال میں جب کبھی سیاسی یا سماجی ترقی کے لیے قدم بڑھایا گیا، ہندو مسلم سوال ضرور چھیڑ دیا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ابتدائی تعلیم کے متعلق کانگریسیوں نے صوبۂ متحدہ کی کونسل میں ایک زمانہ میں سوال چھیڑا تو رجعت پسند مسلمانوں نے فوراً مذہبی تعلیم و تربیت کا سوال شروع کر دیا اور ڈاکٹر ضیاءالدین اور دوسرے لوگ اس موقع پر کونسل چھوڑ کر چل دیے۔ ساردا ایکٹ کے خلاف جو ہندو اور مسلمان قدامت پسندوں نے ہنگامہ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔۔۔۔ ترقی پسندی کی طرح رجعت پسندی بھی ہماری پبلک زندگی کے ہر پہلو پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محاذ قائم کرنا چاہتی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی بوسیدہ خود فنا نہیں ہوتا۔ بڑھتی ہوئی سماجی قوتیں جدوجہد کے بعد اسے معزول کر دیتی ہیں"۔

غور فرمائیے مسلمان بچوں کے لیے تعلیم کی کسی اسکیم میں مذہبی تعلیم و تربیت کا مطالبہ کرنا رجعت پسندی ہے، سامراج کی حمایت ہے، ملک کو پیچھے لے جانے والی طاقتوں کا کام ہے۔ فضا کا انقلاب انگیز تقاضا اب یہ ہے کہ اس "بوسیدہ" چیز کو بڑھتی ہوئی سماجی قوتیں جدوجہد کے بعد معزول کر دیں۔ اور یہ سارداایکٹ کا تذکرہ اس سلسلہ میں کتنا برمحل آیا ہے۔ اگرچہ اس "ترقی پسند" قانون کی مخالفت "الجمعیۃ" نے اس وقت کی تھی جب اس کا ایڈیٹر ایک "رجعت پسند" شخص تھا، مگر اس رجعت پسندی میں خود جناب مولانا کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب اور تمام ارکان جمعیت علماء ہند (یعنی اِس وقت جو حضرات فضا کے شدید انقلاب انگیز تقاضوں سے متاثر ہو کر "ترقی پسند" بن گئے ہیں) اس کے ہم نوا تھے۔

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب یہ بحث شروع کرتے ہیں کہ کانگریس کی شرکت کے سلسلہ میں مسلمانوں کی تہذیب اور روایات کا سوال جو اٹھایا جا رہا ہے، یہ دراصل ترقی پسند اور انحطاط پذیر قوتوں کی کشمکش کا ایک عکس ہے ــــ "ترقی پسند" اور "انحطاط پذیر"، ان دو اصطلاحوں کا مفہوم جواہر لال اور ان کے شعبۂ اسلامیات کی لغت میں جو کچھ ہے اس کی تشریح میں بعد میں عرض کرونگا ــــ یہاں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ "ترقی پسند" قوتیں اسلامی تہذیب کے سوال کو کس نظر سے دیکھتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"یہ صحیح ہے کہ مسلمان ایک مخصوص تہذیب کے حامل رہے ہیں۔ باوجود اختلافات اور تنوع کے ان میں ایک قسم کی یگانگت اور یکسانیت پائی گئی ہے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ مسلمانوں کی زبان ایک تھی یا تمدن کے مظاہر ایک سے تھے، لیکن تاریخی طور پر کسی حد تک یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح ہے کہ مسلمان حکمران طبقہ کے رجحانات ایک سمت کی طرف دکھائی پڑتے ہیں۔

لوگ اسلامی تہذیب پر بحث کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ اس تمدن اور تہذیب نے ایک خاص ماحول میں تربیت پائی تھی اور بہرصورت مسلمانوں کی حکمران حیثیت سے وابستہ تھی۔ جو لوگ بے صبری کے ساتھ اسلامی تہذیب کی خصوصیات گناتے وقت یہ حدیث سناتے ہیں کہ کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہٖ۔ وہ اکثر یہ واقعہ بھول جاتے ہیں کہ یہ حدیث یا اس قسم کے دوسرے اقوال اس زمانہ کے سماجی حالات کا عکس ہیں جب انسانوں کی تقسیم حاکم اور محکوم، راعی اور رعیت میں ہوتی تھی اور مسلمان من حیث القوم حکمران تھے۔ ....

البتہ اسلامی تمدن اور تہذیب کا مفہوم اس درجہ محدود نہ تھا جیسا آج کل ہوگیا ہے آج اسلامی تہذیب کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے اگر مسلمان بجائے کلاہ اور عمامہ کے گاندھی ٹوپی پہننے لگتے ہیں یا ہندی رسم الخط کے پرچار کے لیے دو چار منہ وا اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک خاص قسم کا لباس اگر نہ پہنیے یا اگر فصیح و بلیغ اردو نہ بولیے تو آپ کا تمدنی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمان رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ معیاری اور ٹکسالی مسلمان صرف وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو دلی اور لکھنو کی فضا میں پلے اور بڑھے ہیں (چاہے وہ کایستھ یا کشمیری برہمن ہی کیوں نہ ہوں) یا پھر دیوبند اور فرنگی محل کا لباس پہننے والے اور علماء کی وضع کے پابند لوگ"۔

دیکھا آپ نے "ترقی پسندوں" کے علم و فضل اور ان کی دانش و بینش کا معیار کس قدر بلند ہے! ان کے ارشادات جب ہم پڑھتے ہیں تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے پنڈت جواہر لال نہرو نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی آواز کو ایک ریکارڈ میں بھروا دیا ہے، اور وہی ریکارڈ جگہ جگہ بجتا پھر رہا ہے۔ اپنے شیخِ طریقت، پنڈت جواہر لال کی طرح یہ لوگ بھی اسلامی تہذیب و تمدن کے مسئلے پر اظہارِ خیال کر کے درحقیقت اپنی بے علمی کا راز فاش کرتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف اسلامی تہذیب و تمدن ہی سے نابلد نہیں ہیں بلکہ نفسِ تہذیب و تمدن کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں ۔۔۔ یا اگر ناآشنا نہیں ہیں تو عمداً خلط مبحث کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

یہ تہذیب نام رکھتے ہیں تمدنی مظاہر کا، حکمران طبقے کے آداب و اطوار کا، لباس کی وضعوں اور کھانوں اور مٹھائیوں کا، اور اظہارِ مافی الضمیر کے وسائل کا۔ پھر ان تمدنی مظاہر میں گردشِ ایام کے ساتھ جو تغیرات رونما ہوتے ہیں ان کے درمیان یہ کوئی امتیاز نہیں کرتے کہ کونسے تغیرات ایک تہذیب کے زیرِ اثر ہوئے اور کونسے دوسری تہذیب کے زیرِ اثر۔ بس سطح پر چند تغیرات دیکھ کر یہ اپنی تقریر شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو، تاریخ کے دوران میں تمہارا تمدن بارہا بدل چکا ہے، اور جب تمدن بدلا ہے تو گویا تہذیب بدل گئی ہے، لہٰذا اسلامی تہذیب و تمدن کسی متعین حقیقت کا نام نہیں ہے جس طرح پہلے تم بہت سے تغیرات قبول کر چکے ہو اسی طرح اب بھی اُن تغیرات کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ جن کا تقاضا، فضا کے انقلاب انگیز حالات یا بالفاظ دیگر جواہر لال اور ان کی امت کے رجحانات کر رہے ہیں ۔۔۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ علانیہ ایسی صریح جاہلانہ باتیں لکھنے اور شائع کرنے کی جرات کیسے کرتے ہیں۔ کیا انہوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ سارا ہندوستان بس جہلا ہی سے آباد ہے اور یہاں کوئی پڑھا لکھا آدمی نہیں رہتا؟

اگرچہ یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے مگر میں عام ناظرین کی واقفیت کے لیے بطور جملہ معترضہ صرف اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ دراصل تہذیب اُس طرزِ فکر، اُس نظریۂ حیات، اور اُس معیارِ اقدار و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخاب کا نام ہے جو انسانوں کی کسی معتد بہ جماعت کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے، اور جس کے زیر اثر وہ جماعت دنیا میں زندگی بسر کرنے کے مختلف طریقوں میں سے کسی خاص طریقے کو اختیار کرتی ہے۔ اور تمدن اُس خاص طرز زندگی کا نام ہے جو اسی تہذیب کے اصول و قواعد کے مطابق اختیار کیا جائے۔ ہم جس چیز کو اسلامی تہذیب کہتے ہیں وہ لکھنؤ اور دلی کی فصیح و بلیغ اردو اور دیوبند و فرنگی محل کے علماء کا لباس نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس ذہنیت اس طرز خیال اور ان اصول حیات پر مشتمل ہے جو قرآن اور سیرت رسول سے ماخوذ ہیں۔ جب تک کوئی تمدن اس تہذیب کے حدود کے اندر ہے، وہ اسلامی تمدن ہے، خواہ اس کی زبان، اس کے آداب و اطوار، اس کے کھانوں اور مٹھائیوں اور اس کے لباس و طرز معاشرت میں کتنے ہی تغیرات واقع ہو جائیں۔ مظاہر کا تغیر بجائے خود کسی تمدن کو اسلامی تہذیب کے دائرے سے خارج نہیں کر دیتا، البتہ جب وہ اس نوعیت کا تغیر ہو کہ اسلامی تہذیب کے اصول و قواعد میں اس کے لیے کوئی سند جواز نہ ہو، تو یقیناً وہ تمدن کو غیر اسلامی تمدن بنانے کا سبب ہوگا۔ مثال کے طور پر مسلمان مشرق سے لے کر مغرب تک بیسیوں طرح کے لباس پہنتے ہیں مگر ان سب میں ستر عورت کے انہی حدود کا لحاظ رکھا جاتا ہے جو اسلامی تہذیب نے مقرر کر دیئے ہیں۔ لہٰذا یہ سب لباس اپنے تنوعات کے باوجود اسلامی تمدن ہی کے لباس کہے جائیں گے۔ مگر جب کوئی لباس ان حدود سے قاصر ہوگا تو ہم اسے غیر اسلامی لباس کہیں گے۔ اسی طرح غذا کے متعلق حلال و حرام کے جو حدود اسلامی تہذیب نے مقرر کیے ہیں ان کے تحت خواہ کتنی ہی انواع و اقسام کے کھانے مسلمانوں کے گھروں میں پکتے ہوں اور تاریخ کے دوران میں ان کی نوعیتیں کتنی ہی بدل جائیں، اور کھانے کے طریقوں میں کتنا ہی تغیر رونما ہو جائے ان سب کو اسلامی تمدن ہی کے دائرہ میں جگہ ملے گی، البتہ جب مسلمانوں کی غذا حدود حلت سے متجاوز ہو گی تو ہم کہیں گے کہ وہ اسلامی تہذیب و تمدن سے بغاوت کر رہے ہیں۔ اسی پر زندگی کے تمام معاملات کو قیاس کر لیجیے۔

اب آپ غور فرمائیں کہ پنڈت جواہر لال اور ان کے یہ مسلمان متبعین اسلامی تہذیب و تمدن کے مسئلے کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیسی غلط روشنی میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ دنیا کو اور خود ناواقف مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ "اسلامی تہذیب وتمدن فی نفسہٖ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ صدیوں پہلے مغلوں اور پٹھانوں کے دورِ حکومت میں جو طور طریقے مسلمانوں میں رائج ہوگئے تھے انہی کا نام اسلامی تہذیب وتمدن رکھ دیا گیا ہے، اور جو مسلمان اسلامی تہذیب وتمدن کے تحفظ کا شور مچا رہے ہیں، ان کا مقصد محض اُس گزرے ہوئے تاریخی دور کی میراث کو اِس بدلے ہوئے زمانہ میں جوں کا توں برقرار رکھنا ہے، اس لیے یہ رجعت پسند اور ترقی دشمن ہیں"۔ ایک پوری قوم کے نقطۂ نظر کی غلط ترجمانی شائد ایسی بے حیائی کے ساتھ تو یورپ کے سیاسی بازی گروں نے بھی نہ کی تھی، جیسی کہ یہ ہمارے ہم وطن اور ہم قوم کر رہے ہیں۔ ان کو اگر معلوم نہیں ہے تو ہم انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اُس تمدن کی حفاظت کے لیے نہیں اٹھے ہیں جو کسی زمانہ میں حکمراں طبقہ کے رجحانات سے پیدا ہوا تھا، بلکہ ہم اس لیے اٹھے ہیں کہ ہماری قوم کا تمدنی ارتقاء قرآنی تہذیب کے راستہ سے منحرف نہ ہونے پائے۔ ہمیں دلّی اور لکھنؤ کی ٹکسالی اردو کو بچانے کی فکر نہیں ہے، بلکہ اُس ذہن کو اسلامی ذہن رکھنے کی فکر ہے جس نے اپنی شخصیت ظاہر کرنے کے لیے اس زبان کو وسیلہ بنایا ہے۔ ہم دیوبند اور فرنگی محل کے لباس محفوظ رکھنے کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ ہم اس لیے لڑنا چاہتے ہیں کہ ہمارے مرد اور ہماری عورتیں اُس لباسِ حیا سے خارج نہ ہو جائیں جو اسلامی تہذیب نے انہیں پہنایا ہے۔ اور اس لڑائی کی ضرورت ہمیں اسلیے پیش آئی ہے کہ ہم ہندوستان کی سیاست پر تم جیسے لوگوں کو غالب آتے دیکھ رہے ہیں جن میں ہماری تہذیب کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں، جن میں آتنی راست بازی وانصاف پسندی نہیں کہ دوسروں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کریں، اور جن میں ان کمزوریوں کے ساتھ ہٹلر اور مسولینی کی فاسطی روح گھس گئی ہے کہ اپنی مرضی کو دوسروں پر مسلط کرنے کے لیے کسی طاقت کے استعمال سے دریغ نہیں کرتے خواہ اس کے استعمال میں صداقت، انسانیت اور اخلاق کو قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیر یہ ایک ضمنی بحث تھی۔ یہاں میں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ کانگریس کا یہ شعبہ اسلامیات جو ہماری "دلدہی" اور "سہولت کار" کے لیے قائم کیا گیا ہے، دراصل کیا خدمات انجام دے رہا ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو کے جو نظریات آپ پہلے پڑھ چکے ہیں ان کو مسلمان مضمون نگاروں اور مسلمان اخباروں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دلوں میں اتارنا اس کا مقصد ہے، اور آپ نے دیکھ لیا کہ یہ شعبہ جو ہماری "دلدہی" کے لیے قائم کیا گیا ہے اس مقصد کو کس خوبی کے ساتھ پورا کر رہا ہے۔ وہ ہمیں یہ سمجھا رہا ہے کہ یہ تہذیب جس کی حفاظت کا تم دعویٰ کر رہے ہو، کوئی چیز بھی تو نہیں ہے۔ مسلمان حکمران طبقہ کے رجحانات تھے سو وہ طبقہ ہی ختم ہو گیا۔ ایک خاص ماحول میں اس تہذیب نے تربیت پائی تھی، سو وہ ماحول ہی اب باقی نہیں۔ اب لے دے کے تمہاری تہذیب یہ رہ گئی ہے کہ ایک خاص وضع کا لباس پہن لیتے ہو اور ٹکسالی اردو بول لیتے ہو، تو وہ بھی دلی اور لکھنؤ تک محدود ہے اور دلی و لکھنؤ میں بھی وہ کوئی خاص تمہاری چیز نہیں ہے بلکہ کایستھ اور کشمیری برہمن بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ کیا اسی مہمل چیز کو تم فضا کے انقلاب انگیز تقاضوں اور سیاسی و اقتصادی حالات کی ترقی کے مقابلے میں بچانا چاہتے ہو؟ یہ تو عین رجعت پسندی ہے کیونکہ وہ دور گزر چکا جس میں یہ تہذیب پیدا ہوئی تھی۔ اور یہ سامراج پرستی بھی ہے کیونکہ فضا کے انقلاب انگیز تقاضوں کے مقابلہ میں اس بوسیدہ چیز کی حفاظت صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ تم سامراج کی حمایت کرو اور سامراج تمہاری حمایت کرے!

مسلمانوں کو شکایت تھی کہ کانگریس عام مسلمانوں سے ربط نہیں رکھتی۔ اس شکایت کی معقولیت تسلیم کر کے کانگریس نے کیسے معقول طریقہ سے اسے دور کیا ہے!

ڈاکٹر اشرف صاحب کا وعظ ابھی ختم نہیں ہوا۔ آگے سنیے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جاگیرداروں اور عہد بادشاہت کے زمانہ میں باعتبار زبان، لباس، تمدن بلکہ مذہبی عقائد کے لحاظ سے بھی مسلمانوں میں کوئی یکسانیت نہ تھی۔ عربی، فارسی، ترکی، تاتاری، چینی سب مسلمانوں کی زبانیں تھیں۔ مغربی، مشرقی، ایرانی، رومی، ہندی، ہر طرح کے لباس مسلمانوں کے ہر طبقہ میں رائج ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب ہمایوں ہندوستان سے جلا وطن ہو کر ایران پہونچا تو شاہ ایران نے بجائے ایرانی کھانوں کے اپنے مہمان کے لیے خاص طور پر ہندوستانی مٹھائیاں اور کھانے تیار کرائے۔ عقائد کی یکسانیت کا تو مسلمانوں میں سرے سے کوئی سوال ہی نہیں، بہتر فرقے ضرب المثل ہیں"!

کچھ غور بھی کیا آپ نے کہ یہ متنوع کی تمام مثالیں کس مقصد کے لیے پیش کی جا رہی ہیں؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنی زبانیں بول کر، اتنے مختلف لباس پہنکر، ایران میں ہندوستانی مٹھائی کھا کر، بہتر فرقوں میں بٹ کر، اور عقائد میں یکسانیت سے یکسر محروم ہو کر بھی تم مسلمان رہے تو اب اگر تم گاندھی کیپ اور دھوتی پہن لو، تمہاری عورتیں سماجی خدمت (Social Service) کے لیے گھروں سے باہر نکل آئیں، تم نئی "ہندوستانی" زبان بولنی اور لکھنی شروع کر دو، مخلوط تعلیم گاہوں میں تمہارے لڑکے اور تمہاری لڑکیاں "جدید طرز کی تعلیم" حاصل کرنے لگیں، سیاسی معاشرتی اور معاشی انقلاب کی جدید تحریکات تم میں پھیلنے لگیں تو اس میں کونسا مضایقہ ہو جائیگا؟ —— اسی مقصد کو چھپا کر ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے:۔

"اس اعتبار سے آج ہم ایک نئے اور زندہ تمدن کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ ہماری سیاسی اور سماجی جدوجہد اس نئے تمدن کا پیش خیمہ ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہم اس نئی تاریخی منزل اور اس کے تقاضے سے باخبر ہوں"!

اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ ساری دماغ سوزی اُس سماجی انقلاب (Social Revolution)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے مسلمانوں کو تیار کرنے کی خاطر کی گئی ہے جس کا نقشہ پنڈت جواہرلال نہرو کے خیالات میں آپ دیکھ چکے ہیں۔ اور یہ دعوت پھیلائی کس اخبار کے ذریعہ سے جارہی ہے؟ اس اخبار کے ذریعہ سے جو جمعیت علماء ہند کا واحد ترجمان ہے۔ کیسے صحیح راستہ پر جارہی ہے "یہ آزادی کی فوج"! شردھانند کی شدھی پر شور قیامت برپا تھا۔ جواہرلال کی شدھی شربت کے گھونٹوں کی طرح اتاری جارہی ہے۔

"آزادی کی فوج" اپنے مسلمان سپاہیوں سے جو خدمت لے رہی ہے ان میں سے دو صاحبوں کے کارنامے آپ نے ملاحظہ فرمالیے۔ ایک صاحب نے اسلامی قومیت پر تیشہ چلایا۔ دوسرے صاحب نے اسلامی تہذیب وتمدن پر ضرب لگائی۔ اب تیسرے سپاہی کا کارنامہ ملاحظہ ہو۔

اخبار "مدینہ" میں اسی "شعبۂ اسلامیات" کے ایک ذمہ دار رکن جناب منظر رضوی صاحب کا ایک طویل مضمون "مسٹر جناح کی کھوکھلی قیادت" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس پر اختلافی نوٹ کے بجائے ادارۂ مدینہ کی جانب سے حسب ذیل تعریفی نوٹ لکھا گیا ہے:۔

"فاضل مقالہ نگار نے جس خوبی کے ساتھ اسلامیان ہند کے سامنے مسائل حاضرہ کو پیش کیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ قارئین مدینہ اس مقالہ کو صبر وسکون کے ساتھ از اول تا آخر مطالعہ فرمائیں۔" ("مدینہ" مورخہ یکم نومبر ۳۷ء)

اب ذرا دیکھیے کہ کس خوبی کے ساتھ اسلامیان ہند کو مسائل حاضرہ سمجھائے جاتے ہیں

"ہمارا دوسرا حربہ حکومت اور اس کے حاشیہ بردار زمینداروں، تعلقداروں، جاگیرداروں کی مالگذاری اور لگان بند کرنا ہے ...... لیکن یہ یاد رہے کہ ان پابیوں کو گراتے وقت ایک بہت بڑی کرانتی (انقلاب) بےچینی۔ بلوے اور فساد ہوں گے۔ اس میں خونریزیاں بھی ہوں گی۔ خون کی ندیاں بہنگی اور سب کچھ ہوگا۔ اور اس وقت یہ جتنے زمیندار، سرمایہ دار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پونجی اور کانوں کے مالک، تعلقوں اور جاگیروں کے آقا، یہی راجہ محمود آباد، نواب چھتاری، سر سکندر حیات، راجہ نریندر ناتھ، گھنشام داس برلا، بھائی پرمانند، اور سیٹھ ڈالمیا جو مسلم ملت اور ہندو جاتی کے نعرے لگائے جاتے ہیں اپنی اپنی غریب اور دکھی جنتا اور غریب اور فاقہ مست عوام کو چھوڑ کر برٹش سامراج کے ساتھ ہوں گے اور ان پر گولے اور بم برسائیں گے۔ دوسری طرف غریبوں کی طاقت ہوگی اور اُن کی جیون ساتھی کانگریس"۔

"ہماری آنے والی لڑائی دراصل امیری اور غریبی کی لڑائی ہوگی۔ اس میں ہندوستان بھر کے امیر چاہے وہ کسی مذہب اور فرقے کے کیوں نہ ہوں بدیسی سامراج کے ساتھ ہوں گے اور وہ ہم غریبوں اور مفلسوں کو توڑنے اور تباہ کرنے کے لیے ہر ہتھیار کو استعمال کریں گے"

...... پھر کسانوں اور مزدوروں کی جاگ سے امیروں کو، راجہ محمود آباد، نواب چھتاری اور سر سکندر جیسے لوگوں کو بہت بڑا خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ زمانہ پلٹا کھانے کو ہے۔ دولت اور امیری ہاتھ سے نکلنے کو ہے، امیروں کو نیچے آنا ہے۔ غریبوں کو اوپر جانا ہے۔ ان سب باتوں کے ڈر سے ہندو جاتی اور مسلم ملت کے یہ ہندو مسلم نام لیوا اپنے اپنے مذہب کے لوگوں کو سامراج مخالف تحریک سے ہٹا کر رکھنا چاہتے ہیں تاکہ یہ لوگ مل کر آخری لڑائی نہ لڑنے پائیں۔ اس لیے قرآن اور حدیث کی آیتیں اور وید اور شاستر کے اشلوک پڑھے جا رہے ہیں"۔

جنگ آزادی کی نوعیت کو اس طرح واضح کرنے کے بعد فاضل مضمون نگار فرماتے ہیں:۔

"مسٹر جناح نے پکار کر کہا ہے "ہندوستان بھر کے مسلمانو ملجاؤ"۔ سوال یہ ہے کہ ہندوستان بھر کا مسلمان آپس میں کیوں ملے؟ اس اتحاد کی ضرورت کیا؟ اس کا مقصد کیا؟ جہاں تک توحید، رسالت، مذہبی معتقدات، اور مذہبی حرکت و عمل کا تعلق ہے وہ آپس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملے ہوئے ہیں۔ بالکل متحد ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ہم مسٹر جناح کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ بھی کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ لیکن سیاسی اور اقتصادی اغراض و مفاد کے لیے مسلمانوں کا آپس میں ملنا ناممکن ہے۔ وہ ہرگز متحد نہیں ہوسکتے اور نہ ان کو متحد ہونا چاہیے مسلمانوں کے اغراض اور فائدے بالکل ایک سے نہیں ہیں۔"

"ہندوستان میں امیر اور غریب کے دو طبقے ہیں۔ امیروں کی غرض یہ ہے کہ امیری کے جتنے بھی وسائل ہیں ان پر ان لوگوں کا قبضہ رہے۔ اور غریبوں کی محنت سے وہ فائدہ اٹھاتے رہیں۔ غریبوں کا فائدہ اس میں ہے کہ امیری کے یہ وسیلے ان کے ہاتھ سے چھن جائیں اور ان کا انتظام اس طرح ہو کہ ملک سے غربت دور ہو۔ غربت کو دور کرنے کا سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ دولت کے ان محدود دہیلوؤں کو ان کے چنگل سے نکال لیا جائے، شخصی ملکیت کو ختم کیا جائے ۔ ...... یہ عام اور اصولی بات ہے۔ اب ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کا فائدہ کیا ہے؟ مسلمانوں میں بھی کچھ امیر ہیں اور کچھ غریب سب کی ایک ہی حالت نہیں ہے۔ مسلمانوں کے تھوڑے سے لوگ امیر ہیں۔ جو شاید زیادہ سے زیادہ ایک کروڑ ہوں گے۔ سات کروڑ مسلمان محنت سے روٹی حاصل کرتے ہیں.... ...جب تک پونجی شاہی دولت کی پیداوار اور تقسیم کے طریقوں کو ہم تذکرہ بالا انقلابات سے غارت نہیں کرتے ان کے روزگار کا کوئی انتظام نہیں ہوسکتا...... اس کے خلاف وہ ایک کروڑ مسلمان بھی ہیں جن کے پاس زمین، جائداد، کارخانے اور دکان ہیں۔ ان کی جیبوں میں بڑی بڑی سرکاری ملازمتیں ہیں۔ وہ سکھ اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں اور مزے اڑاتے ہیں۔ اب ان سات کروڑ غریب مسلمانوں کو ایک کروڑ امیر مسلمانوں سے ملنے کے لیے کہا جاتا ہے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> "خیر" تو عام مسلمانوں کے حقوق اور مفاد عام ہندوؤں سے جدا نہیں ہیں خود مسلم ملت کے حقوق و مفاد باہم دگر متضاد اور مختلف ہیں ان میں کوئی یگانگت نہیں۔۔ ۔۔۔۔۔۔ مختصر یہ کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی ہمارے مفاد آپس ہی میں بالکل مختلف ہیں۔

فی الواقع مسائل حاضرہ کو ان سطور میں "بڑی خوبی" کے ساتھ پیش کیا گیا ہے! مگر ایسی خوبی کے ساتھ ان مسائل کو صرف وہی لوگ پیش کر سکتے ہیں اور ایسی گرمجوشی کے ساتھ ان کی داد بھی وہی لوگ دے سکتے ہیں جنھیں تعلیم قرآن کی ہوا تک نہ لگی ہو، یا جنہوں نے اِتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا کے مصداق قرآن حکیم کو ایک دراز کارشے سمجھ کر بالائے طاق رکھ دیا ہو۔

انگریزی سامراج کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نقشۂ جنگ خود انہی کی زبان سے آپ نے سن لیا۔ یہ چاہتے ہیں کہ اس سامراج کے قلعے کو ڈھانے کے لیے اشتراکی انقلاب برپا کریں۔ اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ پہلے نادار لوگوں کو بلا امتیاز دین و ملت ایک گروہ بنایا جائے، اور مالدار لوگوں کو بلا امتیاز دین و ملت ایک دوسرا گروہ بننے پر مجبور کیا جائے۔ پھر پہلے گروہ میں دوسرے گروہ کے خلاف نفرت، حسد، اور بغض کی اتنی آگ پھونکی جائے کہ وہ کرانتی مچانے اور لوٹ مار کا بازار گرم کرنے اور خون کی ندیاں بہانے پر آمادہ ہو جائے۔ یہ کام جب پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا، اور اس قسم کی کرانتی سارے ہندوستان میں مچ جائے گی، تب کہیں سامراج کا قلعہ منہدم ہوگا، یا زیادہ صحیح الفاظ میں تب وہ ہتھیار تیار ہوگا جس سے یہ حضرات اس قلعے کی جڑوں پر ضرب لگانا چاہتے ہیں — اب اگر آپ اسلام کی حقیقت سے واقف ہیں اور امت مسلمہ کے نظام ترکیبی کو تھوڑا بہت بھی جانتے ہیں تو یہ سمجھنا آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں کہ اس طریق جنگ سے سامراج کا استیصال تو بعد میں ہوتا رہے گا، پہلے تو اسلام کا استیصال بحیثیت ایک نظام اجتماعی کے، اور امت مسلمہ کا استیصال بحیثیت ایک قوم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکمل ہوجائے گا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو حقیقت سے قریب تر ہوگا کہ جس ہتھیار سے یہ لوگ انگریزی سامراج کا قلعہ ڈھانا چاہتے ہیں وہ اس وقت تک تیار ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسلام کے قصر کو مسمار کرکے اس کا مسالہ اس ہتھیار کی تیاری میں صرف نہ کر دیا جائے۔

پنڈت جواہر لال کے جو خیالات آپ ماہ رمضان کے "اشارات" میں پڑھ چکے ہیں انھیں سامنے رکھیے اور اس کے بعد ڈاکٹر محمود، ڈاکٹر اشرف اور منظر رضوی صاحبان کے ان ارشادات کو علی الترتیب پڑھیے تب آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ آزادی کی فوج کس طرح بنائی جا رہی ہے، کس طرح اس کی تشکیل میں خود مسلمانوں سے کام لیا جا رہا ہے اور اس کے کیا نتائج مسلمانوں پر مترتب ہونے والے ہیں۔

ان کا پہلا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے دماغ سے اسلامی قومیت کا خیال نکال دیں۔ یہ ہندوستان کی تمام آبادی کو "ایک قوم" بنانا چاہتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کی مستقل قومیت کو فنا کر دینا ان کے نزدیک ہندوستان جدید کی تعمیر کے لیے ناگزیر ہے۔

ان کا دوسرا حملہ اسلامی تہذیب و تمدن پر ہے۔ ہندوستان کی آبادی ایک قوم نہیں بن سکتی جب تک کہ سب ایک تہذیب اور ایک تمدن کو اختیار نہ کرلیں۔ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کی جداگانہ تہذیب ہے۔ اسی کو دور کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے اور خود مسلمانوں کی زبان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی علیحدہ تہذیب ہے ہی نہیں۔ تمدن کی مختلف صورتیں وہ ہمیشہ اختیار کرتے رہے ہیں، اور اب اس صورت کو بھی قبول کرلینے میں کوئی حرج نہیں جو "زمانے کے شدید انقلاب انگیز تقاضوں" سے پیدا ہو رہی ہے۔

ان کا تیسرا حملہ اسلام کے نظام اجتماعی پر ہے اور یہ سب سے زیادہ خطرناک حملہ ہے کیونکہ یہی حملہ مسلمانوں کو قرآنی مذہب کے دائرے سے نکال کر اشتراکی مذہب میں شامل کر دیتا ہے مسلمانوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عظیم اکثریت بھوک اور افلاس میں مبتلا ہے اور اس کے ساتھ اپنے مذہب سے جاہل بھی ہے۔ اس انبوہ کثیر میں اگرچہ اتنی عقل ضرور ہے کہ اگر اس سے علانیہ تبدیل مذہب کے لیے کہا جائے تو شائد وہ مرنے اور مارنے کے لیے تیار ہو جائے، مگر اتنے ہوشمند یہ لوگ نہیں ہیں کہ اشتراکیت کے نتائج کو سمجھ سکیں۔ ان کے سامنے جب یہ کہا جائیگا کہ آؤ ہم تمہاری بھوک کے مسئلے کو حل کیے دیتے ہیں، تو یہ بیچارے ٹڈی دل کی طرح اُس مسلک کی طرف ٹوٹ پڑیں گے جس میں ان کے پیٹ کی آگ بجھانے کا سامان نظر آئے گا۔ یہاں ان سے کہا جائے گا کہ تمہارے اصلی بھائی وہ غیر مسلم عوام ہیں جو تمہاری طرح بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہیں، اور تمہارے اصلی دشمن وہ مسلمان ہیں جو کسی زمین یا مکان یا کارخانے کے مالک ہیں، یا جن کے پاس تم سے کچھ زیادہ وسائل معیشت موجود ہیں، آؤ اپنے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ ملکر ان مسلمان دشمنوں سے لڑو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ سات کروڑ جاہل اور مفلس مسلمان، اعلیٰ اور متوسط طبقوں کے اُن ایک کروڑ مسلمانوں سے نہ صرف علیحدہ بلکہ برسر جنگ ہو جائیں گے، جو ہندوستان میں اسلامی تہذیب کو بہر حال کسی نہ کسی حد تک سنبھالے ہوئے ہیں اور جن کے پاس کسی نہ کسی حد تک اسلامی شریعت کا علم محفوظ ہے (یہاں یہ یاد رہے کہ ان ایک کروڑ مسلمانوں میں سب کے سب تعلقدار اور جاگیردار، راجہ محمود آباد اور نواب چھتاری نہیں ہیں اور نہ سب بدیسی سامراج کے ساتھی ہیں بلکہ ان میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا حسین احمد صاحب اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جیسے لوگ بھی ہیں اور ہمارے متوسط طبقے کی عظیم اکثریت ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہے) اس قسم کی علیحدگی اور دشمنی پیدا ہو جانے کے بعد کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ ان دونوں طبقوں کے مسلمان مذہبی معتقدات اور مذہبی حرکت و عمل میں ایک دوسرے سے ملے رہیں۔ جن کے درمیان روٹی کی لڑائی چھڑ گئی ہو، کیا وہ مسجدوں میں مل کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ جن کے دلوں میں بغض و حسد کی آگ بھڑکا دی گئی ہو، کیا وہ اپنے پیٹ کے دشمنوں کو اپنا دینی بھائی سمجھ سکتے ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ مالدار مسلمان اپنے اس ہمسایہ کو زکوٰۃ دے جس کے متعلق اسے یقین ہے کہ وہ اس کی جائداد لوٹنے کی فکر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ مفلس طبقہ کے عوام، متوسط تعلیم یافتہ طبقے کے لوگوں سے اُس مذہب کے معتقدات اور احکام سن کر قبول کریں گے جو صاف طور پر شخصی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے، حلال طریقوں سے کمائی ہوئی دولت کو کمانے والے کا حق قرار دیتا ہے، اور اس شخص کو مفسد اور ڈاکو سمجھتا ہے جو ایسی دولت کو چھیننے کے لیے ہاتھ بڑھائے؟ پس یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے درمیان معاشی نزاع اور طبقات کی جنگ برپا ہو جانے کے بعد دینی اخوت کا رشتہ کسی طرح باقی ہی نہیں رہ سکتا، اور یہ رشتہ ٹوٹ جانے کے بعد جو سات کروڑ جاہل، مفلس مسلمان اپنے سے دوگنی بلکہ تگنی تعداد کے غیر مسلموں میں گھل مل جائیں گے، جن میں یہ احساس پیدا کیا جائے گا کہ ان کے اصلی بھائی یہی غیر مسلم ہیں، اور جن کو اشتراکی اصول و عقائد کے مطابق ٹریننگ دی جائے گی، اُنھیں کوئی چیز دائرہ اسلام سے نکلنے اور غیر اسلامی قومیت میں جذب ہو جانے سے نہیں بچا سکتی۔

فرمائیے اس تحریک کو اگر میں "شدھی" سے تعبیر کرتا ہوں تو کیا غلطی کرتا ہوں۔ کیا فرق ہے اس شدھی میں اور شردھانند والی شدھی میں؟ مسلمان جب اسلام سے منحرف ہو گیا اور اسلامی قومیت سے نکل گیا تو ہمارے لیے یکساں ہے خواہ وہ ہندو مت میں جائے یا کسی اور مت میں۔ البتہ اگر فرق ہے تو یہ کہ شردھانند کی شدھی ایک کھلی ہوئی چیز تھی، اس کا داعی صاف کہتا تھا کہ میں تمہیں اسلام سے نکالنا چاہتا ہوں، ہر وہ شخص اس سے بچ سکتا تھا جو کفر سے بچنا چاہتا ہو، اور کسی طرح یہ ممکن ہی نہ تھا کہ مسلمان اس شدھی میں خود مددگار بن جاتے۔ بخلاف اس کے یہ شدھی ایسی ہے کہ اس کا نام "آزادی کی جنگ" جیسا قابل عزت نام ہے۔ اس میں خود مسلمانوں سے، ان کے مقرروں سے، انشاپردازوں سے، لیڈروں سے، ایڈیٹروں سے، حتیٰ کہ ان کے علما تک سے حسب حیثیت کام لیا جا رہا ہے، اور ہزاروں مسلمان اس کی طرف بگٹٹ چلے جا رہے ہیں بغیر اس کے کہ انھیں اس امر کا شعور ہو کہ وہ دراصل شدھی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راستے پر جا رہے ہیں۔

یہ ہے اس جنگ آزادی کی حقیقت جس سے علیحدہ رہنے پر "قوم پرست" ہی نہیں بلکہ ہمارے "دین پرست" بھائی اور ہمارے دین کے علمبردار علماء تک مسلمانوں کو بزدلی اور ٹوڈیت اور سرکار پرستی کے طعنے دے رہے ہیں۔ ان حضرات پر کانگریسی پریس کے پروپیگنڈا اور جواہرلال کے مصنوعی الفاظ کا جادو چڑھ گیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ "آزادی کی جنگ" فی نفسہٖ ایک مقدس جہاد ہے جس میں شریک ہونا ہر مسلمان کا "فرض" ہے ــــ "فرض" کے لفظ کو یاد رکھیے کیونکہ مولانا ابوالکلام جیسے عالم دین نے فرائض کی فہرست میں اس نئے فرض کا اضافہ فرمایا ہے ــــ حالانکہ درحقیقت یہ آزادی مسلمانوں کے لیے آزادی نہیں ہے، بلکہ ان کی قومیت، ان کی تہذیب اور ان کے نظام اجتماعی کی کامل بربادی ہے، اور اُس کام کی تکمیل ہے جسے ڈیڑھ سو برس پہلے انگریزی امپیریلزم نے شروع کیا تھا۔ ایسی آزادی کے لیے لڑنا ہرگز مسلمانوں کا فرض نہیں ہے۔ قرآن سے، حدیث سے، اور عقل سے، غرض کسی معیارِ حق و صداقت سے بھی اس احمقانہ فعل کو فرض ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ "فرض" تو درکنار، میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو ایسی جنگ سے دلچسپی یا ہمدردی رکھنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان پر دین اور عقل سلیم دونوں کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے قومی وجود اور اپنی تہذیب کو تباہی سے بچانے کے لیے اجتماعی جدوجہد اور سرفروشانہ جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔

آزادی کی یہ نام نہاد جنگ صرف انگریزی امپیریلزم ہی کے خلاف نہیں ہے جس کے ہم اور جواہرلال دونوں یکساں دشمن ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ یہ اُس قومیت، اس تہذیب اور اس نظام اجتماعی کے خلاف بھی جنگ ہے جس کو ہم دنیا میں ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور جواہرلال اپنے ہندوستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید کی تعمیر میں سد راہ سمجھتے ہیں۔ جواہرلال ہمارے اور اپنے مشترک دشمن سے لڑنے کے لیے جارہے ہیں، لیکن اس لڑائی کے لیے طریقہ وہ اختیار کرتے ہیں جو مشترک دشمن کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی پہلے خود ہمارا استیصال کردیتا ہے۔ جب ایسی لڑائی میں ہم ان کے ساتھ شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ تم رجعت پسند ہو، ترقی دشمن ہو اور سامراج کے حامی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ترقی بس اُسی چیز کا نام ہے جسے جواہرلال ترقی کہتے ہیں، اور اس کی مخالفت کرنا رجعت پسندی ہے۔ سامراج کی جڑ کھودنے کا بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم اس کے ساتھ اپنی جڑ بھی کھود ڈالیں، اور اس طریقہ سے انحراف کرنا گویا سامراج کی حمایت کرنا ہے۔ سامراج کو انہوں نے ہمارے لیے ایک ھوّا بنایا ہے جس سے ڈرا ڈرا کر وہ ہم کو اُس راستہ کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں جس میں ہماری ہستی ہی فنا ہو جاتی ہے۔ انہوں نے مصنوعی الفاظ، جھوٹے پروپگنڈا، اور پُرفریب مظاہرات کا ایک جال بچھایا ہے جو بدترین ذہنی استبداد کی شکل اختیار کرتا جارہا ہے۔ وہ لوگوں پر اپنی مرضی کو جبراً مسلط کر رہے ہیں اور جو کوئی ان کے استبداد کی اطاعت کرنے سے انکار کرتا ہے اس پر اپنے بناوٹی الفاظ — رجعت پسندی، فرقہ پرستی، ترقی دشمنی اور سامراج پرستی — کی بارش کرتے ہیں تاکہ اس کی آواز بے اثر ہو جائے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو سامراج پرستی کے اصلی مجرم وہ خود ہیں، کیونکہ سامراج سے لڑنے کے لیے انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کو ہندوستان کی آبادی کسی طرح قبول نہیں کرسکتی۔ اس غلط اور احمقانہ طریقہ سے وہ خود سامراج کی مدد کر رہے ہیں اور پھر طعنہ ہم کو دیتے ہیں کہ تم سامراج کے حامی ہو، حالانکہ ہم سامراج کے حامی نہیں بلکہ شدید ترین دشمن ہیں مگر ایسے احمق دشمن نہیں کہ برائے شگون کے لیے اپنی ناک کاٹنے پر آمادہ ہو جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقالات

متاعِ کارواں

از "ساربان"

(۴)

اب لشکرِ آزادی کے سالارِ دوم (Second in Command) پنڈت جواہر لال نہرو کا کارنامہ ملاحظہ ہو۔ اس سے پہلے آپ رسم الخط کے متعلق صاحبِ موصوف کی گراں قدر رائے پڑھ چکے ہیں۔ ان الفاظ کو پھر ایک مرتبہ دیکھ لیجیے اور اس کے بعد "میری کہانی" جلد دوم کا صفحہ ۳۰۰ کھول کر دیکھیے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ

"فارسی اور دیوناگری کے جھگڑے احمقانہ ہیں"۔

دوسرے الفاظ میں آپ کے نزدیک یہ فعل سراسر حماقت ہے کہ کوئی جماعت اپنی زبان کے اُس رسم الخط کی اہمیت پر زُور دے جس کے بدل جانے سے خود پنڈت جی ہی کے الفاظ میں یہ اندیشہ ہے کہ "الفاظ کی شکلیں بدل جائیں گی، آوازیں بدل جائیں گی، خیالات بدل جائیں گے، قدیم اور جدید ادب کے درمیان ایک ناقابلِ عبور دیوار حائل ہوجائیگی اور قدیم ادب ایک ایسی اجنبی زبان کا ادب بن کر رہ جائیگا جو مردہ ہوچکی ہے"۔

رسم الخط جس کی اہمیت اتنی زیادہ تھی، اب اس کو اتنا غیر اہم قرار دینے کی کوشش کس لیے ہے؟ اس کی وجہ خود پنڈت جی بیان فرماتے ہیں:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ہندوستان میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایک متحد قوم پیدا ہو"۔ ("جامعہ" مورخہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ صفحہ ۹)۔

اس بنا پر جو لوگ اپنی زبان کی امتیازی حیثیت برقرار رکھنا چاہتے ہیں وہ "فرقہ پرست" ہیں:۔

"مگر بدقسمتی سے ابھی تک ہندوستان میں فرقہ پرستی طاقتور ہے، اور اس بنا پر (زبان میں) علیحدگی پسندی کا رجحان بھی وحدت کے رجحان کے ساتھ ساتھ برابر اپنا اثر دکھائے جا رہا ہے۔ قوم پرستی کے پورے نشوونما کے ساتھ یہ علیحدگی پسندی جو زبان کے معاملہ میں پائی جاتی ہے یقیناً فنا ہو جائے گی...... ایک علیحدگی پسند حامی زبان کو اوپر سے کھرچو اور تم دیکھو گے کہ اندر سے وہ فرقہ پرست ہے بلکہ زیادہ تر تم اسے ایک سیاسی رجعت پسندی پاؤ گے" (یہ پنڈت جی کا ایک تازہ مضمون ہے جو ہندوستان کے اکثر اردو اور انگریزی اخبارات میں شائع ہو چکا ہے)۔

ان تصریحات سے آپ پنڈت جی کا مافی الضمیر اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ زبان اور رسم الخط کے مسئلہ کو ایک قابل نفرت "فرقہ دارانہ مسئلہ" قرار دینا اور "سیاسی رجعت پسندی" سے موسوم کر کے اس کو اور زیادہ ذلیل بنانے کی کوشش کرنا کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ پنڈت جی زبان اور رسم الخط کی اہمیت سے ناواقف ہیں۔ نہیں۔ بلکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔ وہ اس کی اہمیت سے خوب واقف ہیں، اور اسی واقفیت کی بنا پر وہ اس کے خلاف اپنی مخصوص سیاسی زبان کے شدید ترین الفاظ — "فرقہ پرستی"۔ "رجعت پسندی"۔ "سامراج پرستی" وغیرہ — پورے زور کے ساتھ استعمال کرتے ہیں تاکہ اس گولہ باری سے یہ قلعہ کسی طرح منہدم ہو جائے۔ ان کو خوب معلوم ہے کہ مسلمانوں کے پاس اپنی ایک مخصوص قومی زبان کا محفوظ رہنا دراصل ان کی مخصوص قومیت کے محفوظ رہنے کا ہم معنی ہے۔ جب تک یہ زبان ایک علیحدہ رسم الخط میں لکھی جاتی ہے، اور اس میں وہ الفاظ اور اسالیب بیان موجود ہیں جو اسلامی

© rasailojaraid.com